

نزول وحی

<"xml encoding="UTF-8?">

قرآن مجموعہ ہے ان آیات اور سوروں کا جو ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد مختلف مناسبتوں کے تحت پیغمبر اسلام (ص) پر نازل ہوئے، قرآن کا تدریجی نزول آیہ آیہ اور سورہ سورہ کی صورت میں تھا جس کا سلسلہ پیغمبر اکرم (ص) کی آخری عمر تک جاری رہا، حیات پیغمبر (ص) میں بعض اوقات پیشین گوئیاں کرنے یا مشکلات کو دور کرنے یا سوالات کے جوابات دینے کے لئے یا بعض آیات نازل ہوتیں یا کوئی پورہ سورہ نازل ہو جایا کرتا تھا نزول قرآن کی یہ روش دوسری کتب آسمانی سے بالکل جدا تھی کیونکہ صحف ابراہیم (ع) اور الواح موسیٰ (ع) یکجا نازل ہوئے ہیں یہی چیز سبب بنی کہ مشرکوں نے پیغمبر اسلام (ص) مبیعہ جوئی شروع کی جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہوا: **> وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً...< [1]** ”یعنی کافروں نے کہا کیوں قرآن یکجا اس پر نازل نہیں ہوجاتا؟“۔

تو ان کے جواب میں ارشاد ہوا: [2] (

یعنی یہ اس لئے ہے کہ اے پیغمبر ہم نے آپ کے قلب کو مستحکم کر دیں اس لئے ہم نے اس کو تدریجی طور پر نازل کیا دوسری جگہ ارشاد ہوا: **> وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى كُثٍّ وَنُزِّلْنَاهُ تَنْزِيلًا< [3]** یعنی قرآن کی آیات کو ہم نے ایک دوسرے سے جدا کیا تا کہ تم اسے بلا جھجھک پڑھو اور اسے ہم نے آپ پر تدریجی طور پر نازل کیا،

اس طرح سے کے قرآن کے مطالب کا استخراج کیا جاسکے لہذا قرآن کے تدریجی طور پر نازل ہونے کی مصلحت ہی یہ ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) اور مسلمان اسے احساس کریں جو ہمیشہ عنایات پروردگار کے سائے میں ہیں اور ہمیشہ ان کے اور خدا کے درمیان رابطہ مستحکم ہے چنانچہ اکثر اوقات نازل ہونے والی آیات پیغمبر اسلام (ص) کی تسکین کا موجب ہوتی تھیں۔

نزول قرآن کا آغاز

قرآن کی صریح نص کے مطابق نزول قرآن کا آغاز ماہ رمضان کی شب قدر میں ہوا جیسا کہ ارشاد قرآن ہے: >

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ...< [4]

”یعنی ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کو نازل کیا گیا۔“

دوسری جگہ ارشاد ہوا: [5] (

”یعنی ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا۔“

علماء امامیہ کے نزدیک ماہ رمضان کی ۱۹ و ۲۱ و ۲۳ کے درمیان شب قدر کا امکان ہے ۔

شیخ صدوق حسان بن مہران سے اور وہ امام جعفر صادق (ع) سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت سے کسی نے شب قدر کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ”انیس کی شب فرضی ہے اور اکیس کی شب تعین

ہے اور ۲۳ کی شب اختتام امور کی شب ہے۔ [6]

پھر شیخ صدوق لکھتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں کا اس بات میں اتفاق ہے کہ شب قدر ماہ رمضان کی شب ۲۳ ہے۔ [7]

آخری تین سال وحی رسالی کا آغاز (یعنی بعثت کا آغاز)

۲۷ رجب ہجرت سے تیرہ سال پہلے (۶۰۹ میلادی) کو ہوا، لیکن نزول قرآن کا آغاز آسمانی کتاب کے حوالے سے تین سال تاخیر سے ہوا، ان تین سالوں کو ”فترت“ کہتے ہیں پیغمبر اکرم (ص) ان تین سال کی مدت میں پوشیدہ طور پر تبلیغ کیا کرتے تھے یہاں تک کہ جب یہ حکم [8]

”یعنی جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اسے آشکار کر دو۔“

نازل ہوا تو آنحضرت (ص) نے اعلانیہ تبلیغ کرنی شروع کردی، ابو عبداللہ زنجانی لکھتے ہیں اس آیت [9]

”یعنی پڑھو اپنے رب کے نام جس نے تمہیں خلق کیا۔“

نازل ہوئی تو اس کے بعد تین سال تک قرآن نازل نہیں ہوا اس مدت کو ”فترت وحی“ نام رکھتے ہیں پھر قرآن تدریجی طور پر نازل ہوا نا شروع ہوا۔ [10]

مدت نزول اور اس کے بارے میں تین سوال اور ان کے جواب

قرآن کے تدریجی طور پر نازل ہونے کی مدت ۲۰ سال ہے جس کا سلسلہ بعثت پیغمبر (ص) کے تین سال کے بعد شروع ہوا اور پیغمبر (ص) کی حیات کے آخری سال تک یہ سلسلہ جاری رہا اب یہاں پر تین سوال پیش آتے ہیں۔

۱۔ کس طرح نزول قرآن یا آغاز قرآن شب قدر میں ہوا جبکہ بعثت پیغمبر کا آغاز ۲۷ رجب کو سورہٴ علق کی ابتدائی پانچ آیات سے ہو چکا تھا؟

۲۔ اگر پیغمبر (ص) پر سورہٴ علق کی ابتدائی پانچ آیات نازل ہوئیں تو پھر سورہٴ حمد کو فاتحۃ الكتاب کیوں کہا جاتا ہے؟

۳۔ کس طرح قرآن شب قدر میں نازل ہوا ہے جبکہ قرآن بیس سال کی مدت میں تدریجی طور پر مختلف مناسبتوں کے تحت نازل ہوا؟

ان سوالوں کے جوابات اس طرح سے ہیں، پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ نزول قرآن کا آغاز بعثت کے تیسرے سال سے ہوا اور سورہٴ علق کی ابتدائی پانچ آیات جو بعثت کے وقت نازل ہوئیں وہ عنوان قرآن نہیں رکھتیں تھیں بلکہ جب بطور کامل سورہ اتر چکا تب قرآن کا عنوان منطبق ہوا، نزول قرآن کا آغاز اس وقت سے شروع ہوا جب یہ آیت > فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ۔۔۔ نازل ہوئی اور پیغمبر (ص) کو اعلانیہ تبلیغ کرنے کا حکم ہوا اس وقت کے بعد سے مسلسل سورے نازل ہوتے رہتے تھے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ: اگر پیغمبر (ص) کی حیات ہی میں سورہٴ حمد پر فاتحۃ الكتاب کا نام استعمال ہوتا تھا تو اسکی دلیل یہ ہے کہ یہ سب سے پہلا سورہ ہے جو بطور کامل پیغمبر (ص) پر نازل ہوا اس کے علاوہ بعضی دیگر روایات میں آیا ہے کہ اسی بعثت کے پہلے دن ہی جبرئیل (ع) نے نماز و وضو کے مسائل کی آئین اسلام کے مطابق پیغمبر کو تعلیم دیدی تھی جس سے پتہ چلتا ہے کہ سورہٴ حمد بھی اس وقت تک بطور کامل نازل ہو گیا ہوگا کیونکہ روایت میہے۔

”یعنی کوئی بھی نماز بغیر سورہ حمد کے قبول نہیں ہے۔“

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن کے شب قدر میں نازل ہونے اور پھر پیغمبر (ص) کی ۲۰ سالہ زندگی میں تدریجی طور پر نازل ہونے کے بارے میں جو مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔

پہلا نظریہ: نزول قرآن کا آغاز شب قدر میں ہوا (نہ کہ پورا قرآن نازل ہوا) جیسا کہ یہ آیت > شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ...< اس مطلب پر دلالت کر رہی ہے۔

اکثر محققین نے اس نظریہ کو پسند کیا ہے کیونکہ علماء معاصرین صرف آیات کے نزول سے پورے قرآن کے نزول کو نہیں سمجھتے تھے اس کے علاوہ قرآن میں اور بھی کچھ موارد ہیں جن سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ قرآن یکجا ایک رات میں نازل نہیں ہو سکتا ہے مثلاً قرآن میں گزشتہ حالات کی خبر دیتے ہوئے پہلی شب قدر کی نسبت آئندہ شبوں کے لحاظ سے علیحدہ حساب ہو گی ۔

مثال کے طور پر > وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ...< [12]

”خداوند عالم نے جنگ بدر میں تم لوگوں کی مدد کی اور تم لوگوں کو تمہارے دشمنوں پر کامیاب کیا جب کہ تم لوگ ان کے مقابلے میں ناتوان تھے۔“

اس طرح کی آیات قرآن میں بہت ہیں اور اگر نزول قرآن پہلی شب قدر میں ہوا ہو تو ضروری ہے کہ بطور کامل اترا ہو وگرنہ ظاہری حقیقت سے بات دور چلی جائے گی مذکورہ استدلال کے علاوہ قرآن میں ناسخ و منسوخ، عام و خاص، مبہم و مبین بہت زیادہ ہیں جبکہ ناسخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ناسخ و منسوخ آیات میں تاخیر زمانی پائی جاتی ہے اسی طرح مبہم آیات اور دوسری آیات کے درمیان فاصلہ زمانی پایا جاتا ہے لہذا یہ بات ہر گز معقول نہیں ہے کہ موجودہ قرآن یکجا نازل ہوا ہو ۔

دوسرا نظریہ: کچھ لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ ہر سال شب قدر اتنا قرآن جو اس سال کی ضرورت کی مقدار تک یکجا اور پھر پورے سال بطور تدریجی واقعات اور مناسبات کے لحاظ سے نازل ہوتا رہتا تھا، اس نظریہ کو مان لینے کی صورت میں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ماہ رمضان اور شب قدر سے مراد ایک ماہ رمضان اور ایک شب قدر نہیں ہے بلکہ تمام ماہ رمضان کی تمام راتیں اور شب قدر کی تمام راتیں مراد ہیں۔ [13]

تیسرا نظریہ: کچھ لوگوں کا نظریہ ہے کہ قرآن دو طریقوں سے نازل ہوا ہے ایک دفعی نزول یعنی یکجا نازل ہونا اور دوسرا تدریجی نزول، بالفاظ دیگر شب قدر پورا قرآن پیغمبر (ص) پر نازل ہوا اور پھر پیغمبر (ص) کی طول حیات میں تدریجی طور پر نازل ہوتا رہا اس نظریہ پر اہل سنت اور شیعہ دونوں کی طرف سے نقل کی جانے والی روایات موجود ہیں فرق اتنا ہے کہ اہل سنت کی روایات کے مطابق قرآن یکجا عرش سے پہلے آسمان پر نازل ہوا اور ”بیت العزۃ“ نامی جگہ پر نازل ہوا لیکن شیعہ روایات کے مطابق قرآن یکجا عرش سے چوتھے آسمان پر ”بیت المعمور“ نامی مقام پر نازل ہوا۔

پھر بزرگ علماء نے قرآن کے مختلف طریقوں سے نازل ہونے کی توجیہ مندرجہ ذیل طریقوں سے بیان کی ہے۔

۱۔ شیخ صدوق تحریر کرتے ہیں کہ قرآن کے یکجا پیغمبر (ص) پر نازل ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپ کو کلیات قرآن کی آگاہی دیدی گئی تھی (نہ یہ کہ خود قرآن یکجا نازل ہوا ہو)

۲۔ ابو عبد اللہ زنجانی کہتے ہیں: ”روح قرآن وہی قرآن کے عالی اہداف ہیں جو شب قدر قلب پیغمبر (ص) پر نازل ہوئے پھر زبان پیغمبر سے ظاہر ہوئے۔“

۳۔ علامہ طباطبائی لکھتے ہیں: ”قرآن اپنے باطنی وجود میہر طرح کے تجزیہ و تفصیل سے خالی ہے جس کا نہ

جز ہے نہ فصل ہے اور نہ آیت نہ سورہ ہے بلکہ ایک مستحکم حقیقت ہے جو اپنا عالی ترین مقام رکھتی ہے اور ہرکس و ناقص کی دسترس سے بھی دور ہے پس قرآن کے دو وجود ہیں ایک وجود ظاہری: جو کہ الفاظ اور عبارات کی صورت میں ہے دوسرا وجود باطنی جو اپنی اصلی جگہ پر ہے لہذا قرآن شب قدر میں اپنے باطنی واصلی وجود کے ساتھ یکجا قلب پیغمبر (ص) پر نازل ہوا پھر تدریجاً اپنے ظاہری وجود کے ساتھ مختلف منا سبتوں اور مختلف موقع و محل پر حیات پیغمبر (ص) میں نازل ہوا۔ ([14])

البتہ یہ تمام نظریات صحیح اور قابل احترام ہیں مگر ظاہر قرآن کے ساتھ جو نظریہ زیادہ مناسبت رکھتا ہے وہ سب سے پہلا نظریہ ہے جو کہ شیخ مفید (رہ) کا نظریہ ہے کہ نزول قرآن کا آغاز ماہ رمضان کی شب قدر میں ہوا۔

-
- [1] سورہ فرقان آیہ ۳۲۔
 - [2] سورہ فرقان آیہ ۳۲۔
 - [3] سورہ اسراء آیہ ۱۰۶۔
 - [4] سورہ بقرہ آیہ ۱۸۵۔
 - [5] سورہ قدر آیہ ۱۔
 - [6] وسائل الشیعہ ج ۷ باب ۳۲ ص ۱۔ ۲۔
 - [7] خصال صدوق، ج ۲ ص ۱۰۲، التمهید ج ۱، ص ۱۰۸۔
 - [8] سورہ حجر آیہ ۹۴۔
 - [9] سورہ علق آیہ ۱۔
 - [10] تاریخ القرآن ص ۹۔
 - [11] عوالی اللئالی ج ۱ ص ۱۹۶۔
 - [12] سورہ آل عمران، آیہ ۱۲۳۔
 - [13] تفسیر کبیر رازی، ج ۵، ص ۸۵، تفسیر در المنثور، ج ۱، ص ۲۷۶، الاتقان، ج ۱، ص ۴۰۔
 - [14] المیزان، ج ۲، ص ۱۵۔